OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

طنز و مزاح: بنیادی مباحث، نثری روایت اور تشکیلی عناصر

Satire and Humor: Fundamental Discourses, Prose Narratives, and Constructive Elements

Dr. Azaadar Hussain

E.S.T G.H.S. Sabowal, Sargodha

Hina Ameer

M.Phil. Scholar, University of Sargodha

Abstract

Humor has a sense of correction and sympathy, while satire should contain anger, cruelty, resentment and correction as well as Humor. There is bitterness in satire, while there is tenderness in humor. Although there is a difference between humor and satire, there is a subtle line them, which brings them together and also creates differences between them. In the prose part of Urdu literature, it started with narrative (Dastan). When a person faces the bitterness of life than humor and satire give a new way of living to a person. Sometimes the production of hope is also done through humor and satire. The elements of humor include the creator, personality, atmosphere, sense of humor, contrast and comparison, irony concession of words, distortion, etc.

Key Words: Humor, sympathy, satire, anger, Urdu prose, Elements, Human life

تمہید

طنز کے لیے انگریزی میں متبادل Satire کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کی بنیاد لاطینی زبان کا لفظ ساطورا (Satura) ہے، جس کے لغوی معنی ایک ایسی ٹوکری یا طشتری کے ہیں، جو مختلف پھلوں سے بھری ہوئی ہو۔ اس ٹوکری کو لوگ اپنے دیوتا یا دیوتاؤں کو بطور

CC BY

نذرانہ اس وقت پیش کرتے تھے، جب وہ اپنی فصلوں سے پیداوار اُٹھاتے تھے۔ اصطلاحی معنوں میں دیکھا جائے تو اس سے مراد وہ صنفِ شاعری ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں لاطینی زبان میں Satire کے نام سے کی جاتی تھی۔ اس شاعری کا موضوع معاشرتی و سماجی بدحالی رہا ہے۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ طنز کی وضاحت یوں کرتے ہیں: یہ ایک قسم کا طباق یا طشتری تھی جس میں مختلف النوع طنزیہ خیالات اور مضامین جن کے موضوعات میں بوقلمونی ہوتی، مختلف بحروں میں پیش کیے جاتے تھے۔[1] رؤف پاریکھ کے مطابق طنزیہ خیالات اور مضامین میں تنوع اُس شاعری کا موضوع رہا ہے۔ اس صنف میں شگفتہ انداز اختیار کر کے سماجی برائیوں کو بیان کرنا اور اس پر خاص انداز میں چوٹ کرنا طنز کہلاتا ہے۔ اردو میں طنز ایک انداز یا اُسلوبی خوبی ہے، جب کہ انگریزی ادب میں اسے باقاعدہ ایک صنف کا درجہ دیا گیا ہے، جس میں ایک فرد یا قوم کی کمزوریوں اور رویوں کی اصلاح کے لیے تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تخلیق کار سماج میں بدامنی اخلاقی و سماجی زبوحالی کو دیکھ کر اسے ناپسند کرتا ہے تو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کر کے اس حالت پر نشتر چلاتا ہے، اس کے ان نشتروں کا اظہار طنز کہلاتا ہے۔ طنز کے مقاصد وسیع ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر یہ لامحدود اور آفاقی نوعیت اختیار کر جاتا ہے۔ طنز کو ادب میں مختلف شکلوں میں برتا جاتا ہے، ان شکلوں میں ٹھٹھول، ہزلیات، طعن و طنز، نوک جھونک، ہنسی اور پھکڑپن شامل ہیں۔ زمانہ قدیم کے بادشاہوں کے دربار میں کئی بھانڈ اور مسخرے اس مقصد کے لیے ہوا کرتے تھے کہ ان کی حماقتوں اور نیرنگیوں سے وہ بادشاہ، اس کے مہمانوں اور درباریوں کو خوش کیا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ بے معنی اور لغو شاعری، تمسخر اور پھبتی کے انداز کو اختیار کرتے تھے۔ عجیب و غریب حلیہ بنانا، عجیب آوازیں اور نقلیں بنانا اور اکثر یہ بھانڈ ایسی باتیں بھی کہہ جاتے جو منہ پر نہیں کہی جا سکتیں۔ طنز، ہجو، کنایہ اور رمز اسی طرح ارتقائی منازل طے کرتے کرتے آج کی موجودہ حالت کو پہنچے۔ اردو ادب میں طنز ایک رویے کا نام ہے۔ ایک شخص یا رویے پر اس انداز میں تبصرہ کرنا کہ اس شخص کے دل پر اس تبصرے سے چوٹ لگے، طنز کہلاتا ہے۔ طنز کو معاشرے کی تنقید کہا جا سکتا ہے، لیکن تنقید کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خوبی اور خامی دونوں پہلوؤں کو دیکھا جاتا ہے۔ جب کہ طنز میں نہ صرف خامی کو دیکھا جاتا ہے بلکہ اچھالا بھی جاتا ہے۔ طنز کا مقصد وہ سماجی و معاشرتی برائی کا اظہار یہ ہے جس کی اصلاح ہو سکے۔ طنز کے بارے میں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ہے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک ہو اور ذہن و فکر کی بے لوث برہمی یا شکستگی کا نتیجہ ہو۔[2] رشید احمد صدیقی کے مطابق طنز میں ذاتی عناد یا برہمی نہیں ہونا چاہیے، طنز محض تنقید یا احتجاج ہے مگر اس کا بنیادی مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ طنز انسان یا انسانی معاشرے کی جانب سے اٹھنے والی برائیوں کی مذمت کرتا ہے۔ طنز کا سب سے کامیاب حربہ اس کی نشتریت ہے۔

طنز

طنز اردو ادب میں کوئی باقاعدہ صنف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انداز یا اسلوب ہے۔ اس کی ہر دل پسندی کی ایک وجہ اس کی عمومیت ہے۔ شگفتہ لہجے، سادہ اسلوب اور عام بول چال کی زبان کی وجہ سے طنز کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس بارے ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں: اردو میں طنز کوئی صنف، ادب نہیں بلکہ ایک ادبی اسلوب اور صفت ہے لیکن مغرب میں اسلوب کے ساتھ ساتھ اسے صنف کے طور پر بھی برتا گیا ہے۔[3] ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی اس بات سے محض طنز کی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے مگر اردو میں عام طور پر طنز کے ساتھ مزاح کا لفظ بھی مستعمل ہے، جب ان دونوں کو اکٹھا لکھا جاتا تو کوئی ادیب اس کو اردو ادب کی الگ صنف

قرار دیتے ہیں۔ عام طور پر طنز اور مزاح کو یکجا بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں کے مفاہیم اور مطالب ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اردو ادب میں یہ دونوں اتنی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ ان دونوں کا ایک ساتھ بولا جانا ضروری سمجھا جانے لگا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں: اردو تنقید میں طنز و مزاح کا نام ایک سانس میں یوں لیا جاتا ہے گویا یہ مترادف ہوں جب کہ ایسا ہے نہیں۔[4] اردو زبان و ادب میں طنز و مزاح کو ایک تاثر یا رجحان کے طور پر دیکھا یا پرکھا گیا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، ایک اعلیٰ طنز نگار کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے طنز کے ذریعے کسی کی عزتِ نفس کو مجروح نہیں کرتا۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی طرح اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں: طنز اور مزاح کوئی باقاعدہ صنفِ ادب نہیں ہے بلکہ ایک رجحان اور رویئے کا نام ہے جس کا تعلق انسان کی فطرت، شعور و لاشعور، خواہشات، تمناؤں اور انسان کے ردِ عمل سے ہے۔ یہ معاشرے میں موجود تضادات کا بہتر انداز میں احساس دلائے جانے پر بھی پیدا ہوتا ہے اور کوئی خاص واقعہ، تصویر، کردار یا مشکل صورتِ حال بھی بعض اوقات ہمیں کوئی نئی یا انوکھی بات کہنے کے لیے مہمیز کرتے ہیں۔ یہی انوکھی بات کبھی مزاح کے شیرے میں لتھڑی ہوئی ہوتی ہے اور کبھی طنز کی کمان پر چڑھی ہوئی۔[5] اشفاق احمد ورک نے بھی طنز و مزاح کو باقاعدہ صنف نہیں مانا بلکہ ایک رجحان یا رویہ قرار دیا ہے۔ اکثر طنز و مزاح کو اکٹھا پرکھا جاتا ہے، ہم آگے چل کر طنز و مزاح کے آپسی تعلق کو دیکھیں گے، اس سے قبل طنز اور مزاح دونوں کے الگ الگ معانی و مطالب کو جاننا ضروری ہے۔

مزاح

مزاح کے لیے انگریزی میں Humour کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ لاطینی زبان کے لفظ Humor سے ماخوذ ہے، اس کے لغوی معنی نم آلود ہونا کے ہیں۔ اسی لفظ کو بعد میں مضحکہ خیز کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ مزاح زندگی کے مسائل اور تلخ حقیقتوں کو برداشت کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ مزاح کا مقصد انسانی زندگی اور اس کے مختلف مظاہر کو سمجھنے اور انسان کی مشکلات کو کم کرنے کا کام کرتا ہے۔ انگریزی ڈکشنری لٹریری ٹرمز اینڈ ریلیٹڈ الوژنز میں لفظ Humour کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> Originally a term of medicine having its roots in the Latin work "Humour" or "Humar" which means a fluil of vapour and which iscontigenitally related with the health and temperament of person.[6]
>
> اصل میں طب کی ایک اصطلاح ہے، جس کی بنیادیں لاطینی Humour یا Humar سے جڑی ہیں، جس کا مطلب ہے بخارات کی حرکات سے اور اس کا تعلق پیدائشی طور پر انسان کی صحت اور مزاج سے ہے۔

درج بالا حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مزاح طب کی ایک اصطلاح ہے جس کا تعلق لاطینی لفظ ہیومر یا ہمر سے ہے، جس کا مطلب ہے، ایسا مادہ جو گیس کی شکل میں ہو اور انسانی صحت اور قوت برداشت سے تعلق رکھتا ہو۔ مزاح کے لغوی معنی کے تناظر میں اس کے اصطلاحی مفہوم کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں: مزاح کے لیے ایک اور لفظ

"مطایبہ" (عربی، اسم مذکر) بھی ملتا ہے جس کے لغوی معنی خوش طبعی، مزاح، ہنسی، مذاق، مٹھا، چہل اور ظرافت کے ہیں۔ "فکاہ" بھی مزاح کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔[7]

آغاز سے ہی انسان اپنے ماحول اور معاشرے کے اثرات میں گھرا رہا ہے۔ جب بھی انسان معاشرتی دباؤ میں آتا ہے اور الجھن کا شکار ہوتا ہے تو ہنسنے اور مسکرانے کے بہانے تلاش کرنے لگتا ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس لیے انسان کو پانچ حسوں کے علاوہ ایک اور حس سے بھی نوازا ہے، جس کو حسِ مزاح کہا جاتا ہے۔ اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں:

انسان کو دیگر جان داروں کی نسبت تین اضافی حسیات سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ حضرت انسان ان اضافی حسیات کو جس قدر نکھارتا چلا جاتا ہے وہ بقیہ جان داروں سے اسی قدر بلند ہوتا جاتا ہے۔ وہ تین حسیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جمالیاتی حس (Aesthetic Sense)

۲۔ چھٹی حس، عام فہم، عقلِ سلیم (Common Sense)

۳۔ حسِ مزاح (Sense Of Humuor)[8]

انسان حسِ مزاح کی بدولت زندگی کی مشکلات اور مصائب پر صبر و تحمل سے مسکراتا ہوا گزر جاتا ہے۔ یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ مزاح کی حس انسان پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا کرم ہے۔ اس کی بدولت انسان زندگی کی سنجیدگی اور جمود سے نکل کر زندگی کی رعنائیوں میں گم ہوتا ہے۔ مزاح ایک طرح سے انسان کے لیے دنیاوی دکھوں اور غموں سے فرار کا ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> دنیا زیادہ تر خوشی کی طالب ہے۔ ہنسنے کے مقابلے میں رونے سے گریز کرتی ہے۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جذبات کے لحاظ سے ہنسنے کی اہمیت زیادہ اور اتنی عظیم ہے کہ اگر خوشی دنیا سے اٹھ جائے تو غالباً محفلِ عالم کو پہچاننے میں فرشتوں کو بھی تکلیف ہو، انسان کا جینا دوبھر ہو جائے اور خدا جانے کیا کیا ہو جائے۔[9]

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ خوش گوار تبدیلی کو پسند کرتا ہے اور دکھوں اور غموں میں اپنے لیے خوشی اور مسرت تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کو اسی وجہ سے طنز و مزاح کی تحریک ملتی ہے، جو انسان کو اس کے رنج و غم کی کیفیت سے آزادی دلانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے۔ مزاح کا اثر دیرپا نہیں ہوتا، بلکہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے، لیکن یہ انسان کے دل میں زندگی سے محبت پیدا کرتا ہے۔ اس دنیا کی طرح اس دنیا کے غم اور خوشی کی کیفیات بھی عارضی ہیں۔ خوشی اور غمی کی کیفیات میں زندگی گزارنے کا نام ہی طنز و مزاح ہے۔ انسان کو خلاق کائنات نے اشرف المخلوقات بنانے کے علاوہ حیوانِ ناطق اور حیوانِ ظریف جیسی خوبیوں سے بھی نوازا ہے۔ اس کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ وہ خوشی کی کیفیات اور لمحات کی تلاش میں رہتا ہے۔ خواجہ عبدالغفور لکھتے ہیں: اشرف المخلوقات کو صرف حیوانِ ناطق ہی نہیں بلکہ حیوانِ ظریف بھی بننا پڑتا ہے۔ یہی صلاحیت انسان کو زندہ رکھتی ہے کہ بغیر ہنسے ہنسائے انسان اپنے کھ درد پر قابو نہیں پا سکتا۔ کچھ دیر کی ہنسی نہ صرف غم و اندوہ کو بھلا دیتی ہے بلکہ اس سے ایسی تازگی اور فرحت پیدا ہوتی ہے کہ غم ہائے دنیا کو برداشت کرنے کی از سرِ نو طاقت آ جاتی ہے۔[10] مزاح کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ ادبی حوالے سے نا صرف ترقی یافتہ ہو بلکہ زبان پر بھی عبور رکھتا ہو اور

اس معاشرے کے لوگوں کا لچک دار رویہ ہو۔ لچک دار رویہ ہی مزاح پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ انسان تہذیبی طور پر ترقی کر رہا ہے، اس ترقی کے ساتھ ساتھ ہنسی اور مزاح کی شکلیں، انداز اور حربے بھی ترقی کر رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر مزاح سے مراد ٹھٹھول یا ہنسی مذاق لیا جاتا ہے لیکن مزاح اپنی معنویت میں وسعت رکھتا ہے۔ مزاح کا مقصد صرف زندگی کی مشکلات پر ہنسنے کا نام نہیں بلکہ زندگی کی ان مشکلات کو بھلا دینے کی کوشش کا نام بھی ہے۔ انسان مزاح سے پیدا ہونے والی ہنسی کی مدد سے زندگی کی تلخیوں کو برداشت کر کے زندگی میں خوش گوار ماحول پیدا کرتا ہے۔ مزاح سے قہقہہ یا ہنسی جنم لیتی ہے اور قہقہہ یا ہنسی زندگی اور اس کے مشکل حالات کو پسِ پشت ڈال دینے کا نام ہے۔ ہنسی اور مزاح میں فرق کرتے ہوئے ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں: مزاح اور ہنسی کو بالعموم لازم و ملزوم سمجھا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر ہنسی مزاح کے ذیل میں نہیں آتی۔ قہقہے اور مسکراہٹ کو ایک معصوم بچے سے لے کر ایک پاگل تک میں دیکھا جا سکتا ہے جو برتری کے احساس غیر مطابقت کے خیال سے آزاد ہوتے ہیں اور دباؤ سے بھی۔ ہنسی احساسِ شکست کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور فتح کا اعلان بھی۔ کسی کی مسکراہٹ اعترافِ ناکامی کی علامت بھی ہوتی ہے۔[11]

ہنسی ایک کیفیت کا نام ہے، جو کہ انسانی جبلت ہے، اگر ہنسی کا اظہار تخلیقی سطح پر ہو تو اس سے مزاح جنم لیتا ہے۔ مزاح عام مشاہدے کی چیزوں میں موجود ناہمواریوں کو تخلیقی انداز میں اُجاگر کر کے دکھانے اور ہنسانے کا نام ہے۔ مزاح سماجی ناہمواریوں کے ہمدردانہ شعور کا نام ہے، بشر طیکہ اس کا تخلیقی سطح پر اظہار ہو جائے۔ عبدالغفار کوکب مزاح کے حوالے سے لکھتے ہیں: مزاح کی کیفیت آمد کی سی ہے۔ یہ گھسیٹا ہوا، بنایا ہوا یا گھڑا ہوا مزاح نہیں بلکہ فی البدیہہ اور برجستہ ہوتا ہے۔ اس کا سرچشمہ خوش طبعی ہوتا ہے اور خوش کلامی اور خوش گفتاری پھوٹنے والے چشمے کی طرح رواں دواں ہوتی ہے۔ صرف صورتِ واقعہ یا انسانی کمزوریاں اور نادانیاں ہنسی کا محرک نہیں ہوتی ہیں بلکہ ہمدردی یا خوش کن باتیں، بیان میں گھلاوٹ یا زبان میں لچک اس کے منبع ہیں۔[12] مزاح اور طنز کا آپس میں ایک خاص تعلق ہے۔ طنز کے لیے مزاح ضروری ہے، جب کہ مزاح کے لیے طنز ضروری نہیں۔ مزاح کے مدد سے ہی طنز کی تلخی کو قابل برداشت بنایا جاتا ہے۔ مزاح کے لیے بذلہ سنجی، ضلع جگت شوخی، موازنہ، لطائف، مبالغہ، صورتِ واقعہ، رعایتِ لفظی اور تحریف نگاری کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، جب کہ طنز کی ذیل میں پھبتی، تضحیک، رمز، ہجو گوئی، طعن و تشنیع، فقرہ بازی، تعریض اور شاعرانہ چشمک آتے ہیں۔ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ طنز و مزاح تب جنم لیتا ہے، جب سماج میں بے سکونی، بددیانتی، اضطراب اور معاشی بحران ہوا۔ مزاحمتی ادب بھی اسی حالت میں تخلیق ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی زبان کے ادب میں طنز اور مزاح کی ضرورت ہمیشہ سے محسوس کی جاتی ہے۔ کیوں کہ طنز و مزاح زندگی کے بحرانوں، کش مکش، ہنگاموں اور الم ناکیوں کے کتھارسس کا ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر ہمایوں اشرف کہتے ہیں: انسان محض زندگی کے راست پہلوؤں کو دیکھنے کا عادی ہے۔ جب اسے ماحول یا زندگی میں کجی اور بے اعتدالی نظر آتی ہے تو اس کا حساس دل متاثر ہوتا ہے اور اس کی فطرت آمادہ احتجاج ہو جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر اس کے اندر دو طرح کے جذبے سر ابھارتے ہیں۔ ایک نفرت کا دوسرا ترحم کا۔ یہی جذبے جب الفاظ کے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو دو رُخ سامنے آتے ہیں۔ یعنی طنزیہ اور مزاحیہ۔ طنز ایک آرٹ ہے سماج کی دکھتی رَگوں کی نشتر زنی کا اور مزاح ایک مرہم ہے ان دکھتی رگوں کو (فاسد مادہ خارج ہونے کے بعد) آرام پہنچانے یعنی کتھارسس کا۔[13] مزاح انسانی زندگی سے مایوسی دور کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ مزاح اگر کسی کی دل

آزاری نہ کرے تو یہ ادب انسانیت کی معراج ہے۔ مزاح کا مقصد زندگی اور اس کے معاملات کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ طنز اور مزاح کے بغیر زندگی خوف ناک دکھائی دیتی ہے۔ تخلیق کار کا بھی مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کو خوب صورت انداز میں پیش کرے جس کے لیے ایک تخلیق کار طنز و مزاح کو اپنی تحریروں میں پیش کرتا ہے۔ اردو کے قدیم شعری روایت ہو یا نثری روایت دونوں میں طنز و مزاح کے عناصر ملتے ہیں۔ قدیم مثنویوں اور داستانوں میں ظرافت اور شوخی کا استعمال ہوا ہے۔ مزاحیہ اور طنزیہ شاعری اور نثر اپنے اپنے دور کے رجحانات کے عکاس ہوتے ہیں۔ ایک مزاح نگار اپنی تحریروں میں طنز اور مزاح کے امتزاج سے معاشرے کی بدحالی کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ افراد اور قوم کو ہنسنے کا سلیقہ آئے۔ کلیم الدین احمد اس سلسلے میں لکھتے ہیں: ہنسی بھی انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس لیے ادب ہنسی کا بھی ترجمان ہے۔ زندگی کے تمسخر انگیز پہلو کی عکاسی ادب میں اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے رقت انگیز پہلو کی۔ زندگی میں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، خوشی بھی ہے اور غم بھی اور غم میں ہم روتے بھی ہیں اور ہنستے بھی ہیں۔[14] معاشرے کی اصلاح طنز و مزاح کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ کسی ناگوار یا ناپسندیدہ عمل کو اگر بار بار ٹوکا جاتا ہے، حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، تو وہ عمل تیکھا بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اسی بات کا اظہار ہلکے پھلکے ظریفانہ اُسلوب میں کیا جائے تو اس میں معاشرہ اپنی تذلیل محسوس نہیں کرتا۔ وہ اس سے پہلے لطف لیتا ہے اور بعد ازاں اپنی اصلاح کرتا ہے۔ طنز اور مزاح کا مقصد کسی کی تذلیل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد انسانی خدمت ہے۔ اس دنیا میں زندگی کی تلخیوں میں جب انسان گھر جاتا ہے تو امید انسان کو جینے کا ایک نیا ڈھنگ دیتی ہے۔ کئی بار امید کی پیداوار بھی طنز و مزاح سے ہوتی ہے۔ طنز کی کاٹ اور مزاح کا لطف انسان کو اپنی غلطیوں کا جائزہ لینے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ طنز و مزاح ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا ہے۔ مختصراً مزاح اور طنز میں فرق دیکھیں تو مزاح میں اصلاح اور ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے، جب کہ طنز میں غصہ، بے دردی، ناراضی اور اصلاح کے ساتھ ساتھ مزاح کا بھی ہونا چاہیے۔ طنز میں کڑواہٹ، جب کہ مزاح میں نرمی ہوتی ہے۔ طنز و مزاح میں اگرچہ فرق ہے، تاہم دونوں کے بیچ ایک باریک سی لکیر ہے، جو دونوں کو اکٹھا بھی کرتی ہے اور دونوں میں فرق بھی پیدا کیے رکھتی ہے۔ دیکھنا یہ ضروری ہے وہ کون سے عناصر ہیں ایک فن پارے میں طنز و مزاح پیدا کرتے ہیں۔ عالمی ادب کی سطح پر طنز و مزاح کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں طنز و مزاح پایا جاتا ہے، اردو زبان میں بھی دیگر زبانوں کی طرح طنز و مزاح کی ایک مضبوط روایت ملتی ہے بلکہ اردو ادب میں اس رویے یا اسلوبی خصوصیت نے نسبتاً زیادہ ترقی کی۔

طنز و مزاح کی روایت

اردو زبان کے نثری اثاثے میں طنز و مزاح کی روایت بڑی مضبوط نظر آتی ہے۔ اردو نثر میں سب سے پہلے داستان میں طنز و مزاح کی روایت ملتی ہے۔ کیوں کہ نثری حوالے سے اردو میں پہلے داستان نے ہی رواج پایا۔ داستانوں کی مقبولیت کا سلسلہ اٹھارویں صدی کے اختتام میں شروع ہوا۔ جس کی پہلی بہترین مثال عطا حسین خان تحسین کی نو طرزِ مرصع تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں: اردو نثر میں ظرافت کے ابتدائی نقوش اردو کی بعض قدیم داستانوں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض نقوش تو اس درجہ مدھم ہیں کہ ہم محض تکلفاً انھیں ظرافت کے زمرے میں شامل کر سکتے ہیں اور بعض اس قدر شوخ کہ ان کے رنگوں کی آمیزش میں طفلانہ مذاق کے سوا اور کسی چیز کو دخل نہیں۔ ویسے ان داستانوں کے بیشتر قصے اپنی مضحکہ خیز نوعیت

کے اعتبار سے ہماری استہزائیہ حس کو بیدار ضرور کرتے ہیں۔[15] ابتدا میں داستان کو محض وقت گزاری اور قاری کے لیے ذوقِ جمال کی تسکین کے لیے لکھا گیا۔ تاہم جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے داستان گوئی ایک فن بن گیا۔ تخلیق کاروں نے داستان میں نئی نئی اختراعات کیں اور نئے نئے اسالیب کو استعمال کیا۔، جس کی بدولت زبان سنورتی گئی۔ طنز و مزاح کے حوالے سے دیکھیں تو اردو داستان میں طنز و مزاح کی روایت کمزور ہے، تاہم یہ کمزور روایت بھی اپنی لطافت کا احساس ضرور دلاتی ہے۔ طنز و مزاح کی اس کمی کی وجہ یہ تھی کہ داستان کا تخلیق کار اپنے سماج سے باہر کی دنیا کو بیان کرنے لگا تھا اور اپنے معاشرے سے بے خبر ہوتا گیا۔ طنز و مزاح تو سماجی شعور سے جنم لیتا ہے۔ اس بارے ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش لکھتی ہیں: چوں کہ داستان گو یا داستان نگار شعوری طور پر اپنے اسلوب کو مزاح کی چاشنی سے دل چسپ بناتا ہے، اس لیے مزاح اور لطافت کی لہریں بڑے بڑے طوفان میں بھی اپنی ہستی برقرار رکھتی ہیں اور پڑھنے والا جب عبارت آرائی کے عدم توازن سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے تو مزاح کی ہلکی ہلکی لہر نہ جانے کہاں سے تڑپتی تلملاتی آتی ہے اور ساری فضا کو اپنی زندگی کی تڑپ دے کر آگے بڑھ جاتی ہے۔[16] رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب میں مقفع و مسجع عبارتوں میں کہیں نہ کہیں مزاح کے رنگ نظر آتے ہیں۔ بعد ازاں مزاح کے یہی رنگ داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال اور قصہ کام روپ و کام لتا میں بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اول الذکر دو داستانوں میں ظرافت کا آہنگ تخلیقی سطح پر معیاری نظر آتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک جو داستانوی ادب ہمارے سامنے آتا ہے، اس میں نو طرزِ مرصع، قصہ مہر امروز و دلبر اور عجائب القصص ہیں۔ ان تمام داستانوں میں جو خصوصیت مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ ان میں دل چسپی کے عنصر کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اور اس کا مقصد محض قاری کو تفریح پہنچانا تھا۔ جہاں کہیں کسی بادشاہ کے دربار کا تذکرہ آیا ہے، وہاں شاہی دربار کے مسخروں اور نقالوں کے ذکر سے مزاح کے عناصر نے جنم لیا ہے۔ اس کے علاوہ داستانوی ادب میں مزاح کی کمی نظر آتی ہے اس سلسلے میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں: اردو نثر میں طنز و ظرافت کی وہ کمی نہیں جو نظم میں ملتی ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ نسبتاً نثر میں طنز و ظرافت کی افراط ہے اور اس افراط میں بیسویں صدی کے مصنفین کا ہاتھ نظر آتا ہے۔[17] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نثری داستانوں میں طنز اور مزاح کے ابتدائی نقوش تو ملتے ہیں، لیکن مزاح ایک تحریک کی کے طور پر کہیں نظر نہیں آتا۔ جس طرح موجودہ عہد میں مزاح کو ایک رجحان اور رویے کے طور پر اختیار کیا جا رہا ہے، یہ روایت ابتدائی دور میں نظر نہیں آتی۔ مزاح کا تخلیقی اظہار کھل کر اگر سامنے آتا ہے تو وہ غالب کے خطوط میں ہے، جس کی بدولت آج بھی غالب ہم کو اپنے خطوط میں مسکراتا اور قہقہے لگاتا نظر آتا ہے۔ 1857 کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ ان حالات میں ایک ایسے تخلیقی ادب کی ضرورت تھی جو اس ماتم، مایوسی اور گھٹن کی فضا کو دور کر سکے۔ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ خطوطِ غالب نے نثری ادب میں طنز و مزاح کی بنیاد ڈالی۔ غالب نے نہ صرف دلی کو اُجڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، بلکہ پورے ہندستان اور اس کے باشندوں کی بربادی کا منظر دیکھا تھا۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد غالب نے رونا چاہا تا کہ اپنا غم ہلکا کر سکے مگر رونے سے غالب نے اجتناب کیا اور اپنے غم کو کم کرنے کے لیے غالب نے اپنے دوستوں کو خطوط میں احوال لکھنا شروع کیا۔ یوں یہ سلسلہ غالب کے بعد سرسید احمد خان اور ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار سے ہوتا ہوا ایک الگ ہی صنف کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جس سے پطرس بخاری، مشتاق احمد یوسفی کرنل محمد خان، ابن انشا جیسے ادیب پیدا ہوئے۔

مزاح یا طنز کی تشکیل میں کئی عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ ان میں سے کئی عناصر تخلیق کار کی شخصیت سے جنم لیتے ہیں، کئی عناصر ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں، جب کہ کچھ عناصر کو موضوع خود ہی تشکیل دے دیتا ہے۔ یہاں چند اہم عناصر کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ا۔ ظرافت:

پہلا عنصر جو طنز و مزاح پیدا کرتا وہ انسان کی ظرافت ہے۔ ظرافت اور مزاح کے معنی میں ایک لطیف سا فرق ہے۔ اس بارے ڈاکٹر اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں: اکثر اوقات مزاح اور ظرافت تو ایک متبادل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اردو ادب میں مزاح اور ظرافت سگے بہن بھائی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے دونوں کے درمیان بھی خفیف سا فرق دریافت کر رکھا ہے۔ ہمارے خیال میں اس فرق کو اس طرح سے محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ظرافت جہاں جہاں اپنا ایک خاص معیار برقرار رکھتی ہے وہاں وہ مزاح کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے، لیکن جب یہی ظرافت ایک خاص سطح سے نیچے گر جاتی ہے تو ہجو و ہزل کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جب کبھی اس سے بھی نیچے چلی جائے تو عریانی و فحاشی و پھکڑ پن کا روپ دھار لیتی ہے۔[18] ان کے مطابق ظرافت طنز و مزاح کی بنیاد بننے والا عنصر ہے، اگر اس میں لطافت ہو تو مزاح میں شکل اختیار کرے گا اور اگر ظرافت میں ہجو یہ انداز ہو گا تو یہ طنز کو تخلیق کرے گا۔

۲۔ تضاد و موازنہ:

طنز و مزاح کی تخلیق میں بعض اوقات دو چیزوں کی مشابہت یا تضاد سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ طنز و مزاح کی تشکیل میں بعض اوقات یہ عنصر بھی کار فرما ہوتا ہے کہ ایک جیسی چیزوں کو اور کبھی بالکل مختلف چیزوں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے مزاحیہ صورتِ حال پیدا ہو جائے۔ اس سلسلے میں پطرس بخاری کا مضمون کتے ایک خوب صورت مثال ہے، جس میں شاعروں اور کتوں کو ایک خاص انداز میں یک جا کیا گیا ہے۔

۳۔ برجستگی یا بذلہ سنجی:

مزاح کا سب سے اعلیٰ معیار برجستگی ہے، جس کے لیے نغز اور بذلہ سنجی کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق تخلیق کار کی نکتہ آفرینی، ذہانت، ذکاوت اور برجستگی سے ہے۔ جہاں برجستگی کے لیے ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں تخلیق کار کا زبان پر بے مثال عبور حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گفتگو یا تحریر میں کوئی ایسی بات کہہ دینا، جو قاری کو شگفتہ انداز میں سوچنے پر مجبور کر دے، نغز یا بذلہ سنجی کہلاتی ہے۔ اس کے لیے حاضر جوابی یا برجستہ گوئی کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اردو ادب میں اس کی اولین مثالوں میں غالب کی نثر شمار ہوتی ہے۔

۴۔ ایہام یا رعایتِ لفظی:

رعایتِ لفظی، ایہام دونوں کا اثر ایک جیسا ہے۔ شاعری میں جس صنعت کو ایہام کہتے ہیں، نثر میں اسے ضلع جگت کہا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں کبھی ایہام نے باقاعدہ ایک تحریک کی حیثیت اختیار کیے رکھی ہے۔ بعد ازاں اس کے مخالف بھی تحریکیں چلیں اور آہستہ آہستہ ایہام اردو شاعری سے ختم ہو گیا۔ شاعری میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا، جو دو مفاہیم رکھتے ہوں، جس میں ایک مفہوم قریب کا ہو اور دوسرا بعید کا۔ شعر کو قاری پڑھتے ہی ذہن فوراً پہلے مفہوم کی طرف لے جاتا تھا، لیکن شاعر کی

مراد ہمیشہ بعید کے مفہوم سے ہوتی تھی۔ مزاح کی تشکیل میں جب بھی تخلیق کار اس عنصر سے کام لے گا تو فوراً مزاح کا فوراہ پھوٹ پڑے گا۔

ع نواب آئے ہمارے بھاگ آئے

۵۔ صورتِ واقعہ، مزاحیہ صورتِ حال:

انسانی زندگی حادثات اور واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ان واقعات میں کچھ واقعات رنجیدہ اور کچھ سنجیدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ادب میں انہی واقعات کو مزاحیہ صورت واقعہ سے بڑا جان دار اور اعلیٰ وارفع کر کے پیش کرنے سے مزاح کا عنصر جنم لے سکتا ہے۔ ہر تخلیق کار کے ہاں پیش کش کے انداز میں فرق ہوتا ہے، اسی لیے ہر تخلیق کار نے مزاحیہ صورتِ حال کی مدد مزاح پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ اچانک سے صورتِ حال کو پیش کرنے کا انداز جس قدر فطری اور انسانی نفسیات سے نزدیک تر ہو گا، اتنا ہی صورتِ حال سے ایک اعلیٰ مزاح تخلیق ہو گا۔ مثلاً ابنِ انشاء کے مضمون ''ہم پھر مہمانِ خصوصی بنے'' میں پیش آنے والی دل چسپ اور انوکھی یا پطرس بخاری کے مضمون ''مرحوم کی یاد میں'' بائی سائیکل کے رواں ہونے کی صورتِ حال اس کی اچھی مثالیں ہیں۔

۶۔ تحریف:

تحریف سے مراد فن پارے یا تحریر میں معمولی سی ایسی تبدیلی کرنا کہ تبدیلی شدہ عبارت بذاتِ خود ایک تخلیقی شاہکار کی حیثیت اختیار کر جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس تخلیقی شاہکار کی پیروڈی کی جا رہی ہو، وہ خود بھی زبان زدِ عام ہو۔ انگریزی میں اس کا متبادل پیروڈی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اردو ادب میں اس کی روایت پُرانی ہے۔ اردو ادب میں عام طور پر تحریف کو طنز و مزاح کے ضمن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مومن کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ے کہا جب ان سے کہ مرتا ہے مومنؔ
کہا ہم کیا کریں مرضی خدا کی

اس شعر کو تحریف کے انداز میں اکبر الہ آبادی نے یوں پیش کیا۔

ے کہا جب ان سے کہ مرتا ہے اکبرؔ
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

کئی ادیبوں نے لفظی تحریف سے کام لیا ہے، جیسے مشتاق احمد یوسفی کی سوانح عمری جو زر گزشت کے عنوان سے ہے۔ اس میں زر کے لفظ بنک کی زندگی پوشیدہ ہے اور گزری ہوئی عمر انسان کے لیے زر ہی ہوتی ہے۔ مسدسِ حالی کی رعایت سے سید ضمیر جعفری نے مسدسِ بدحالی لکھا۔

۷۔ مزاحیہ کردار:

ادبی فن پارے میں ظرافت پیدا کرنے کا ایک اہم عنصر مزاحیہ کردار کا استعمال قدیم ادب سے چلا آ رہا ہے۔ مزاحیہ کردار غیر لچک دار، گھڑے گھڑائے اور یک رخے، قاری کے سامنے آتے ہیں اور یہ کردار آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان میں غیر لچک دار رویے اور شخصیت کی وجہ سے ہی مزاح پیدا ہوتا ہے۔ مسخروں اور مزاحیہ کرداروں میں فرق

ہوتا ہے۔ مزاحیہ کردار کو اس بات کا ادراک نہیں ہوتا کہ ان سے مزاحیہ حرکات سرزد ہو رہی ہیں۔ مزاحیہ کردار کی خصوصیت اس کی معصومیت ہوتی ہے جو اسے ہمارے دلوں کے قریب لاتی ہے۔ جب کہ مسخرے کو اپنے کردار کا ادراک ہوتا ہے۔ جو جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے جس سے مزاح پیدا ہو۔ ادب میں مسخرے سے زیادہ مزاحیہ کرداروں کو پسند کیا گیا ہے۔ ایسے کرداروں کی فہرست میں ڈپٹی نذیر احمد کے ظاہر دار بیگ، شفیق الرحمٰن کے شیطان، محمد خالد اختر کے چچا عبد الباقی، یوسفی کے مرزا عبد الودود بیگ اور امتیاز علی تاج کا چچا چھکن اردو کے ممتاز مزاحیہ کردار ہیں۔

۸۔ فنٹیسی (خیالیہ) / علامت:

کئی نقاد اور ادیب فنٹیسی یا خیالیے کو ایک صنف قرار دیتے ہیں اور بعض کے ہاں اسے ایک تکنیک اور خصوصیت سمجھا جاتا ہے۔ یہ علامت ہی کی ایک قسم ہے۔ مزاح کی تشکیل میں اس کا بھی ایک خاص کردار ہوتا ہے۔ فنٹیسی میں ادیب حقیقی کرداروں کی بجائے فرضی کرداروں یا وقت کی اوٹ میں خود ہی کھڑا ہو کر اپنی بات کہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ماضی حال اور مستقبل کو استعمال کرتا ہے۔ تخلیق کار کی یہ صلاحیت خداداد ہوتی ہے، اس تخلیقی قوت کی بدولت تخلیق کار ایک ایسی گھڑی گھڑائی اور فرضی خیالی دنیا تخلیق کرتا ہے جو قاری کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتی، یہ تخیلی دنیا قاری کے لیے دل موہ اور دل چسپ ہوتی ہے۔ اس خیالیے میں اکثر تمام کردار، واقعات، اور زمان و مکان فرضی بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کی اردو میں ابتدا مرزا فرحت اللہ بیگ کے "دلی کا ایک یادگار مشاعرہ" سے ہوئی۔ نسیم حجازی کا سو سال بعد، محمد خالد اختر کا بیس سو گیارہ، سفید جزیرہ اور پورس کے ہاتھی وغیرہ۔

۹۔ کم بیانی یا رمز:

کم بیانی کو عموماً طنز کی ایک لطیف صورت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مزاح میں رمز کا بھی استعمال ہوتا ہے، جس کے لیے انگریزی کا لفظ Irony استعمال ہوتا ہے۔ رمز کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس میں کم بیانی کی خصوصیت ہو۔ طنز میں اختلاف رائے واضح ہوتا ہے جب کہ رمز میں تخلیق کار مخالف نظریے یوں قبول کرتا ہے کہ اس کے لہجے، الفاظ اور انداز میں ایک خاص قسم کی کاٹ موجود ہوتی ہے جو بعد میں سمجھ آتی ہے۔

۱۰۔ تقلیبِ خندہ آور:

اسے تحریف کی ترقی یافتہ شکل کہا جاتا ہے۔ اس میں معمولی لفظی تبدیلی کی بجائے کسی ادیب کی پوری تصنیف کو اپنے ذہن میں رکھ کر اس تخلیق کار کے اسلوب، لہجے یا نظریات کو مزاحیہ اور دل چسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد کسی کی تضحیک نہیں ہوتا بلکہ تفریح اور مزاح پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اردو میں چراغ حسن حسرت کا "پنجاب کا جغرافیہ"، محمد خالد اختر کی "مکاتیبِ خضر" اور "عودِ پاک"، ابنِ انشاء کی "اردو کی آخری کتاب"، شفیق الرحمٰن کی تزکِ نادری اور ڈاکٹر انور سدید کے "غالب کے نئے خطوط" شامل ہیں۔

۱۱۔ تمسخر یا پھبتی:

مزاح جب اپنے خاص معیار سے گرتا ہے تو ہزل گوئی جنم لیتی ہے، اسی طرح جب طنز اپنے معیار سے گرتا ہے تو اس میں تمسخر، پھبتی، یا طعن و تشنیع کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سرسید کے خلاف جب لوگوں نے لکھنا شروع کیا اور خاص طور پر اودھ پنچ کے

ادیبوں نے مکمل یہی رویہ اختیار کیے رکھا۔ مزید برآں کئی بار تخلیق کار نے عریانی وفحاشی کے ذریعے بھی مزاح پیش کرنے کی کوشش کی، تو بعض اوقات اپنا غم وغصہ نکالنے کے لیے مزاح میں دشنام اور گالی گلوچ کو بھی شامل کر لیا گیا۔

۱۲۔ ہزل گوئی:

اردو ادب کی شعری روایت میں طنز و مزاح کا نقطہ آغاز جعفر زٹلی کو قرار دیا جاتا ہے۔ جعفر زٹلی کی مکمل شاعری کا تعارف ہی ہزلیات اور پھکڑپن ہے۔ جب طنز و مزاح اپنے معیارِ فن سے گر جاتا ہے تو ہزل، پھکڑ یا بےہودہ گوئی اس کا جزو بن جاتے ہیں۔ مذاقِ سلیم سے مزاح کا معیار گر جانا ہی ہزل کہلاتا ہے۔ اردو شاعری کی روایت میں سودا، قائم، زانی، چرکین اور جرأت وانشاء نے ہزل گوئی کے حوالے سے اہم نام ہیں۔ ابوالحماقت عاشق جالندھری کی "ہزلیات" اور امام دین گجراتی کی "بانگِ دہل" بڑے نام ہیں۔

اونٹ جب اٹھتا ہے جنگل میں جمائی لے کر
یاد آجاتا ہے نقشہ تیری انگڑائی کا

شوخی، ٹھٹھول، مذاق، لطیفہ

اس عنصر کو ذاتی رنجش اور بغض وعناد یا مزاحمتی رویے کی وجہ سے مزاح میں شامل کیا جاتا رہا ہے۔

۱۳۔ لفظی ہیر پھیر:

لفظی ہیر پھیر بھی مزاح کی تخلیق کا بہترین عنصر ہے۔ بنیادی طور پر ادب درست الفاظ کے درست جگہ پر استعمال کا نام ہے، تاہم تخلیق کار کبھی کسی لفظ کا نقطہ اوپر نیچے کر کے، کبھی الفاظ کی تکرار سے، کبھی لفظوں کو توڑ مروڑ کر، کبھی الفاظ کے الٹ پھیر سے اور کبھی الفاظ کے انوکھے اور عجیب وغریب استعمال سے قاری کے لیے ایک ایسی صورتِ حال پیدا کر دیتا ہے، جو دل کش ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث

یہاں مختصراً وہ بنیادی عناصر بیان کیے گئے ہیں، جن کی مدد سے ایک تخلیق کار اپنے فن پارے میں طنز و مزاح پیدا کرتا ہے۔ تخلیق کار ان عناصر کے علاوہ بھی کئی عناصر کی مدد سے طنز و مزاح پیدا کر سکتا۔ مثلاً تشبیہ واستعارہ کے استعمال سے، ڈرامائی عناصر لانے سے، سوانگ یا بھیس بدلنے سے، کرداروں کی خاص حالتِ خمار سے، قسم کی بدحواسی سے بھی طنز مزاح پیدا کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

[1] ڈاکٹر رؤف پاریکھ،، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی وسماجی پس منظر (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۷ء۔ ۱۹۹۶ء)، ص ۱۳۔
[2] رشید احمد صدیقی، طنزیات ومضحکات (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء)، ص ۳۵۔
[3] ڈاکٹر رؤف پاریکھ، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی وسماجی پس منظر، ص ۱۳۔
[4] ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی اصطلاحات (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۸۲۔
[5] ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح (لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۲۔

[6] Anjum, A.R-English Literary term, Polymer and Related Illusion publications Lahore,1976, P58.

[7] ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی اصطلاحات، ص ۲۴۲۔

[8] ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص ۱۲۔

[9] ڈاکٹر سید اعجاز حسین، ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت (لاہور، ادارہ فروغ اردو، نقوش طنز و مزاح نمبر ۲۔۷۱، جنوری، فروری، ۱۹۵۹ء)، ص ۱۱۔

[10] خواجہ عبد الغفور، طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ (دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۲۔

[11] ڈاکٹر رؤف پاریکھ، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی و سماجی پس منظر، ص ۱۷۔

[12] عبد الغفار کوکب، اردو فکاہیہ کالم نگاری (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، (مقالہ) پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۴۔

[13] ڈاکٹر ہمایوں اشرف، سعادت حسن منٹو، حیات اور کارنامے (دہلی، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۷۔

[14] کلیم الدین احمد، اردو ادب میں طنز و ظرافت (مشمولہ: نقوش طنز و مزاح نمبر ۲۔۷۱)، ص ۵۰۔

[15] ڈاکٹر وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح (لاہور، مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۴۴۔

[16] ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، داستانیں اور مزاح (لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء)، ص ۴۷۔

[17] کلیم الدین احمد، اردو ادب میں طنز و ظرافت، ص ۶۱۔

[18] ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص ۳۳۔